بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

انسانی حقوق اور اسلامی ریاست

سید جلال الدین عمری

اس دنیا میں طاقتور اور کمزور دونوں طرح کے انسان آج بھی ہیں، کل بھی تھے اور آئندہ بھی رہیں گے۔ انسان کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ طاقتور اپنی طاقت کا غلط استعمال نہ کرے اور کمزوروں کے ساتھ محبت، ہمدردی، تعاون اور دست گیری کا رویہ اختیار کرے۔ طاقتور کی طاقت، کمزور کی کمزوری رفع کرنے اور اُسے اوپر اٹھانے میں صرف ہو، طاقتور اسے اس قابل بنائے کہ زندگی کی دوڑ میں وہ پیچھے نہ رہ جائے لیکن ماضی کی شہادت اور حال کا مشاہدہ ہے کہ زیادہ تر حالات میں فطرت کا یہ مطالبہ پورا نہیں ہوا، طاقتور کے ہاتھ میں بے شمار حقوق اور اختیارات جمع ہوتے چلے گئے، کمزور کو ان کا بہت تھوڑا حصہ ملا یا بالکل نہیں ملا، طاقتور کو طاقت کے نشہ میں اپنی ذمہ داریاں یاد نہیں رہیں اور کمزور ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبتا چلا گیا، طاقتور نے اپنے حقوق و اختیارات کا بے تحاشا استعمال کیا اور کمزور اپنی محرومی پر آنسو بہاتا رہا۔ کبھی تو اسے مضبوط اور طاقتور ہاتھوں نے اس طرح دبایا اور کچلا کہ سسکنے، تڑپنے اور فریاد کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ اس طرزِ عمل کا ایک شاخسانہ یہ رہا کہ مختلف ادوار میں اور زمین کے مختلف خطوں میں اصحابِ حقوق اور اصحابِ فرائض کے مستقل طبقات وجود میں آتے چلے گئے۔ ایک طرف وہ گروہ تھا جو گردوپیش کے تمام وسائل کا مالک و مختار تھا دوسری طرف وہ طبقہ تھا جو ہر چیز سے محروم تھا، ایک جانب آسائش و راحت اور عیش و عشرت تھی اور دوسری جانب زندگی اپنے وجود اور بقا کے لیے تڑپ رہی تھی، طاقتور طبقہ کے ہاتھ میں اقتدار، حکومت، قانون، علم و فن، وسائلِ معیشت اور تہذیب و معاشرت سب کچھ تھا۔ اسی میں سے فرمانروانِ مملکت، امرا و رؤسائے سلطنت، فوجی جرنیل، علوم و فنون کے ماہر تہذیب کے معمار،

اور سماج کے صورت گر پیدا ہوئے اور ہر در و بام کے مالک بن بیٹھے، کم زور طبقہ ان میں سے کسی بھی چیز کا اپنے لیے تصوّر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ زندہ بھی تھا تو صرف اس لیے کہ طاقتور طبقہ کو اس کی ضرورت تھی۔ وہ بے روح مشین کی طرح اس کی قوت میں اضافہ کا سبب بنا رہا۔ طاقتور کے پاس ایسے بہت سارے حقوق جمع ہوتے چلے گئے جن کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے اور کم زور اپنے جائز حقوق سے بھی محروم تھا۔ وہ اس کے لیے جد و جہد کیا معنی اس کا ذکر بھی اپنی زبان پر لانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ بعض اوقات اس کا سلسلہ اتنا دراز ہوتا چلا گیا کہ دونوں طبقات نے اسے قانونِ فطرت سمجھ لیا۔ طاقتور طبقہ نے سمجھایا اسے باور کرا دیا گیا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے ذاتی استحقاق کی بنا پر ہے اور بلا شرکت غیرے وہ اس کا مالک و مختار ہے اور کم زور طبقہ اپنی محرومی پر قانع و صابر ہوتا چلا گیا کہ یہی اس کی قسمت میں ازل سے لکھا گیا ہے۔ کبھی ان کے درمیان کشمکش اور تصادم بھی رہا ہے، بغاوت بھی ہوئی ہے لیکن صورت حال میں بہت زیادہ تبدیلی نہیں آئی ہے۔ یہ تصویر جتنی بھیانک ہے اسی قدر بھیانک یہ سوال ہے کہ کیا نوع انسانی کی تاریخ ظلم و ستم ہی کی تاریخ ہے؟ کیا اس نے عدل و انصاف اور فضل و احسان کی فصل بہار کبھی نہیں دیکھی؟ کیا اس طویل مدت میں اولاد آدم کی اکثریت اپنے حقوق سے بے خبر اور ناآشنا ہی رہی یا ان سے محرومی ہی اس کے حصہ میں آئی؟ کیا ان حقوق کی حمایت میں کبھی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی اور ان کے لیے جد و جہد کرنے والے اور حق دار کو حق دلانے اور اسے ادا کرنے والے نہیں پیدا ہوئے؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دنیا نے عدل و انصاف کی مثالیں ضرور دیکھی ہیں لیکن زیادہ تر ظلم کی تاریخ ہی رقم ہوتی رہی ہے۔ اصحاب اقتدار اور طاقتور طبقات اس کے سیاہ اوراق میں اضافہ کرتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں زیادہ زمانہ نہیں گزرا صرف چند صدی قبل حقوق انسانی کا تصور شدت سے ابھرا اس کے لیے جد و جہد شروع ہوئی اور اس نے بہت جلد ایک عمومی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس کا مرکز یورپ خاص طور پر برطانیہ اور فرانس تھے۔ بعد میں امریکہ نے بھی اس سمت میں پیش رفت کی۔

اس کی تاریخ بارہویں صدی سے شروع ہوتی ہے۔ جب کہ شاہ کانکرڈ ثانی Concard II نے ایک منشور کے ذریعہ پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کیے۔ ۱۱۸۸ء میں شاہ الفانسو نہم Alfanso IX سے جس بے جا کے عدم جواز کا اصول تسلیم کرایا گیا۔

۱۷۶۶ء میں فرانس کے معروف مفکر روسو Rovsseave نے معاہدۂ عمرانی لکھی۔ اسے انقلاب فرانس کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد پر ۱۷۸۹ء میں فرانس کا منشور حقوق انسانی Declaration of the Rights of Man سامنے آیا۔

۱۷۷۶ء میں امریکی ریاست ورجینا میں منعقدہ اجتماع نے George Mosion کا مرتب کردہ منشور حقوق انسانی منظور کیا۔

اس سلسلہ کی اور بھی نمایاں کوششیں ہیں۔ اقوام متحدہ نے بھی مختلف مواقع پر اس سلسلہ میں قراردادیں منظور کیں۔ آخر میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اس نے عالمی منشور حقوق انسانی The Universal Declaration of Human Rights. پاس کیا دنیا کی بیشتر قوموں نے اس کی تائید کی۔ جن قوموں نے تائید نہیں کی انھوں نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اس پہلو سے اسے اقوام عالم کا متفقہ منشور کہا جاتا ہے۔ کوئی بھی حکومت اس کا انکار یا مخالفت نہیں کر رہی ہے۔ اسے حقوق انسانی کی تاریخ میں ایک انقلابی قدم سمجھا جاتا ہے۔

حقوق انسانی کے اس عالمی منشور میں فرد کی آزادی، عدل و انصاف اور مساوات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کے ساتھ سیاسی حقوق کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ اس میں فرد کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ مساوات ہو، کسی کو اس سے برتر اور بلند تر نہ سمجھا جائے۔ اسے جان اور مال کا تحفظ حاصل ہو، اس پر کسی قسم کا جبر و تشدد نہ روا رکھا جائے اور اسے عدل و انصاف ملے۔ اسی طرح عقیدہ اور مذہب، اظہار خیال، تنظیم اور جماعت سازی، سفر اور نقل مکانی، اپنی مرضی سے شادی بیاہ اور خاندان بسانے کو اس کا حق مانا گیا ہے۔ تعلیم، حکومت میں شرکت، ملازمت، راحت اور آرام، خلوت اور نجی زندگی میں عدم مداخلت کو بھی

اس کا بنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔

اس منشور کی یہ خوبی بھی جاتی ہے کہ یہ فرد کو بعض بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے۔ اس میں حکمراں طبقہ کے جور و ستم سے شہریوں کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کی گئی ہے۔ طاقت کا سرچشمہ عوام کو بتایا گیا اور حکمرانوں کو ان کے سامنے جواب دہ قرار دیا گیا ہے۔ عدل وانصاف کے حصول کو آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ فرد کو تعلیم، ترقی اور خوش حالی کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں بعض بنیادی خامیاں بھی ہیں۔ ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ان خامیوں کی وجہ سے اس سے متوقع نتائج برآمد نہیں ہو پا رہے ہیں۔

اس منشور کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں کوئی ایسی بالاتر قوت نہیں ہے جو کسی قوم کو اس کا پابند بنائے۔ اس پہلو سے بعض اوقات اس کی حیثیت محض پند و موعظت اور اخلاقی تلقین کی ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں بھی جو اسے ایک مقدس صحیفہ سمجھتے اور اس کے گن گاتے رہتے ہیں، حقوق انسانی کی خلاف ورزی کے واقعات بکثرت ہوتے رہتے ہیں۔

ان حقوق کی نگرانی کرنے والے دنیا میں بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں اور مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں ایک European court of Human Rights ہے۔ اس میں یورپ کے ۳۸ ممالک حقوق انسانی کی پامالی سے متعلق مقدمات درج کراتے ہیں۔ گزشتہ سال ۱۷۷۱ درخواستیں وہاں پہونچیں۔ ان میں جن چھ ممالک کی شکایات دوسرے ملکوں سے زیادہ ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔	TURKEY	1825
۲۔	ITALY	1191
۳۔	POLAND	861
۴۔	U.K.	588
۵۔	FRANCE	471
۶۔	AUSTRALIA	365

ان مہذب ممالک میں داخلی طور پر حقوق انسانی کی خلاف ورزی جس پیمانہ کی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ بین الاقوامی سطح پر وہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ طاقتور اقوام کو جنھیں ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے، ان کا پابند بنانا کم زور قوموں کے بس کی بات نہیں ہے۔ الجیریا، فلسطین، کوسووو، بوسنیا، عراق وغیرہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں فلسطین میں جس طرح حقوق انسانی کی پامالی ہورہی ہے اسے اقوام متحدہ کی جانچ ٹیم کے ذمہ داروں نے تسلیم کیا ہے۔

یہ منشور فرد اور ریاست کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں کرتا۔ اس سے یہ بات واضح نہیں ہے کہ فرد کے حقوق کے حدود کیا ہیں اور کہاں سے ریاست کے اختیارات شروع ہوجاتے ہیں۔

مذہب کے معاملے میں بھی اس کا رویہ غیر واضح ہے۔ اس میں فرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی مذہب کو اختیار کرسکتا اور اس پر عمل کرسکتا ہے، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کردیا گیا ہے کہ مذہب انسان کے حقوق و فرائض کا بھی تعین کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ ان پر عمل کرسکتا ہے؟ اگر نہیں کرسکتا یا خاص دائرہ ہی میں کرسکتا ہے تو مذہبی آزادی کے کیا معنی ہیں؟

یہ منشور اس تصور کے تحت وجود میں آیا ہے کہ انسان آزاد ہے اور وہ اپنے لیے خود قانون بنا سکتا ہے۔ اسے کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک غیر مذہبی یا سیکولر منشور ہے۔ اس میں فطری طور پر سیکولر نظریات کے ابھرتے، اس نوع کی تحریکوں کے قائم ہوتے، فروغ پانے اور اس سے ہم آہنگ کردار کی تبلیغ واشاعت کے زیادہ مواقع ہیں۔ عملاً یہی ہو بھی رہا ہے۔ حریتِ فکر اور فرد کی آزادی کے نام پر الحاد اور خدا بیزاری، وحی و رسالت اور آخرت کے انکار کا ذہن بن رہا ہے۔ مخرب اخلاق تحریکیں چلانے، دنیا کو ایک خاص تہذیب اور کلچر کا عادی بلکہ پابند بنانے کی بھرپور کوشش ہورہی ہے۔ اسے ترقی اور روشن خیالی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس کسی دینی تحریک کے چلانے اور دینی اور اخلاقی قدروں کی ترویج و اشاعت کے مواقع محدود سے محدود تر ہیں۔ اس کی گنجائش نکلے بھی تو اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ہیں، ان کے خلاف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ فضا بنائی

جاتی ہے اور ان کی بدترین تصویر پیش کی جاتی ہے۔ دقیانوسیت اور بنیاد پرستی کے الزامات لگا کر انھیں ناقابلِ قبول ٹھہرایا جاتا ہے اور موقع ملنے پر طاقت کے ذریعہ ان کو ختم کرنے کی بدترین تدبیریں بھی کی جاتی ہیں۔ آزادیٔ فکر کے سارے دعوے یہاں ختم ہو جاتے ہیں۔

انسانی حقوق کے سلسلے میں آج دنیا میں جو بہترین مساعی ہو رہی ہیں اور اس کے ساتھ ان کی بدترین خلاف ورزی جس بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس وقت پیشِ نظر یہ ہے کہ حقوقِ انسانی کے موضوع پر اسلامی فکر کو کسی قدر تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ محض عقیدت و محبت یا جذباتی تعلق کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے جس وسعت اور گہرائی، بصیرت اور ژرف نگاہی سے اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے اس کی نظیر کسی منشور اور کسی دستور میں نہیں پائی جاتی۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ دنیا نے بہت سے معاملات میں جس طرح اسلام سے فیض اٹھایا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی اس کی خوشہ چیں ہے۔ البتہ اس کے اعتراف کی ہمت یا ظرف ابھی اسے حاصل نہیں ہے۔ اسلامی فکر کا پورا تتبع نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ ذہن افراط و تفریط اور بے اعتدالی کا شکار ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی نشاندہی کی جائے اور اسلامی فکر میں جو اعتدال اور توازن پایا جاتا ہے اسے نمایاں کیا جائے۔

اسلام اس تصور کے خلاف ہے کہ انسان ایک طویل عرصہ تک ظلمت اور تاریکی میں رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے علم و فکر کی روشنی ملی۔ اس کے نزدیک انسانِ اول بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ساتھ اس زمین پر آباد ہوا۔ اس کے بعد ہر دور میں اس کی ہدایت اور رہنمائی کا انتظام ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اسے حقوق اللہ اور حقوق العباد سے باخبر کرتے رہے۔ انھوں نے ایک طرف یہ بتایا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق عائد ہوتا ہے، دوسری طرف بندوں کے حقوق کی وضاحت کی۔ ان کی تعلیمات میں خدائے واحد کی عبادت سے لے کر حسبِ حال نظامِ شریعت بھی رہا ہے۔ اگر انسان نے خدا کا حق ادا نہیں کیا تو اس پر انھوں نے تنقید کی۔ شرک کو مٹایا اور توحید کو قائم کیا۔ انسان نے انسان کے حقوق پر شب خون مارا تو اس کے خلاف

بھی انھوں نے آواز اٹھائی، ظلم و انصاف کے خاتمہ اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے ان کی مساعی جاری رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اقتدار عطا کیا تو حق دار کو اس کا حق دلایا اور سماج میں عدل و انصاف کو عملاً قائم کیا۔ انسان کی تاریخ کے ساتھ وحی و رسالت کی تاریخ جڑی ہوئی ہے۔ اس سے صرف نظر کر کے اس کا مطالعہ ناقص اور ادھورا ہوگا۔

اسلام نے انسان کو کیا حقوق دئے ہیں اور کس حد تک دئے ہیں اس کے تفصیلی مطالعہ سے پہلے خود انسان کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر کو سمجھنا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سارے حقوق اسی نقطۂ نظر کے تابع ہیں۔ وہ اس کے فطری اور منطقی نتائج کے طور پر ابھرتے اور اسی کی بنیاد پر تفصیلی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے پہلے اس بات کی کوشش ہوگی کہ انسان کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جائے، اس کے بعد اس کے حقوق کا ذکر ہوگا۔

۱۔ اسلام اس حقیقت کو پوری قوت کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ زمین و آسمان اور یہاں کی ہر چیز اس کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے۔ انسان اس زمین پر اس کا خلیفہ اور نائب ہے (البقرہ: ۳۰) اس کا کام اس کے احکام کی تعمیل اور ان کا نفاذ ہے۔ اسی میں اس کا امتحان ہے۔ اس حقیقت پر ایمان لانے اور اسے تسلیم کرنے سے سماجی زندگی میں زبردست انقلابی تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چھوٹی بڑی چیز پر سے کسی فرد واحد، خاندان یا ادارہ کی مطلق ملکیت اور اجارہ داری ختم ہو جاتی ہے انسان یہ مان کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اصل مالک وہی ہے۔ وہ اس کے استعمال میں اس کی مرضی اور اس کے احکام کا پابند ہے۔ اس میں آزادانہ تصرف اس کے لیے ناجائز ہے یہاں جو شخص جس حیثیت میں ہے اسی حیثیت میں اس کا امتحان ہو رہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ — وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں
خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ — خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کے مقابلہ

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(الانعام: ۱۶۵)

میں بعض کے درجات بلند کیے تاکہ تم کو ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں۔ بے شک تمہارا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ غفور و رحیم ہے۔

اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝

(ملک: ۲)

وہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست ہے اور بخشنے والا ہے۔

۲۔ اس دنیا میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما ہے، یہاں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے اسی کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے، وہ اس کے لیے کم یا زیادہ جتنی حیاتِ مستعار چاہتا ہے عطا کرتا ہے پھر اسی کے فیصلے کے تحت انسان یہاں سے اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کا سفرِ آخرت شروع ہو جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

اے لوگو! اگر تم کو بعث بعد الموت کے بارے میں شک ہے (تو دیکھو) کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر لوتھڑے سے پھر مضغۂ گوشت سے جس کا نقشہ مکمل اور نامکمل ہوتا ہے تاکہ اپنی قدرت تم پر واضح کر دیں اور ہم تم کو ماؤں کی رحموں میں جب تک چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رکھتے ہیں پھر ہم تم کو حالت طفلی میں نکالتے ہیں پھر جوانی کی عمر تک لے جاتے ہیں تاکہ تم جوانی کے زور اور قوت تک پہونچو۔ تم میں سے کسی پر موت آجاتی ہے اور

لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ	کوئی ارزل عمر کو لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جاننے کی حالت کو پہونچ جائے۔
(حج: ۵)	

یہی حقیقت سورہ غافر میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○	وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر وہ تم کو بچہ کی حالت میں نکالتا ہے پھر مہلت دیتا ہے کہ تم (اپنی جوانی کے) زور کو پہنچ جاؤ، پھر تم بوڑھے ہو جاؤ۔ تم میں سے کوئی اس سے پہلے ہی وفات پا جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ تم ایک مقررہ وقت تک پہونچو اور شاید تم غور و فکر کرو۔
(غافر: ۶۷)	

۲۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وسیع کائنات انسان کے لیے انتہائی موزوں بنائی ہے اس میں اس کی حیات دنیا کا بہترین ساز و سامان ہے۔ بحر و بر اس کے لیے مسخر کر دیے گئے ہیں۔ زمین اس کے لیے مستقر ہے وہ اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس پر رہ سکے اور زندگی گزار سکے، وہ یہاں کی ہوا اور پانی سے، سورج کی گرمی اور چاندکی ٹھنڈک سے، شب و روز کی گردش سے، سمندر کی گہرائی اور دریا کی روانی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسے اپنے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حق دیا ہے کہ وہ بہ حیثیت انسان بغیر کسی روک ٹوک کے اس کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ	اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ تمہارے لیے پھلوں کا رزق نکالا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ سمندر میں اس کے

بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

(ابراہیم: ۳۲-۳۴)

حکم سے چلیں اور تمہارے لیے نہریں مسخر کیں اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو ہمیشہ گردش میں اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا اور تمہیں وہ سب چیزیں دیں جو تم نے (تمہاری فطرت نے) طلب کیں۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہیں کر سکتے۔ بے شک انسان بڑا ظالم اور بڑا ناشکرا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝

(لقمان: ۲۰)

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے لیے وہ ساری چیزیں مسخر کر دیں (خدمت میں لگا دیں) جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔ لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔

یہ اللہ کا دیا ہوا حق ہے اس کی ان نعمتوں کو کوئی اس سے سلب نہیں کر سکتا، اگر سلب کرتا ہے تو بدترین ظلم کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

۴۔ انسان خدائے واحد کا بندہ ہے۔ اسی کی بندگی اور اطاعت اسے کرنی چاہیے۔ وہ یہاں کسی کا غلام نہیں ہے، لہٰذا اس کا حق ہے کہ وہ ہر غلامی سے آزاد ہو اور فی الواقع اسے آزاد ہونا بھی چاہیے۔ کسی فرد بشر کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کسی فرد کو اپنا غلام بنائے اور اپنی بندگی پر اسے مجبور کرے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اس نے ان کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور اس سے کہا کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور خدا

کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ان کی دعوت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو جس عذاب میں اس نے ڈال رکھا ہے اس سے باز آجائے اور مصر سے نکل جانے دے۔ اس کے جواب میں فرعون نے اپنے ان احسانات کا ذکر کیا ہے جو اس نے حضرت موسیٰؑ پر ان کے ابتدائی دور میں کئے تھے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ (شعرا: ۲۲)

اور کیا یہ وہ احسان ہے جو تو مجھ پر جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیلؑ کو غلام بنا لیا ہے۔

مطلب یہ کہ کسی فرد واحد کے ساتھ ہمدردی اور انسانیت کا برتاؤ اس امر کا جواز نہیں فراہم کرتا کہ اس کی پوری قوم کو جبر کے شکنجہ میں کس لیا جائے اور غلامی کی زندگی پر اسے مجبور کیا جائے۔ اس کی آزادی کا حق اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گا۔ مجھ پر جس احسان کا تو ذکر کر رہا ہے اس کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ اس غلام قوم کی نسل کشی کی جو تدبیر تو کر رہا تھا۔ اس سے میں محفوظ رہا اور تو سمجھ نہ سکا کہ میں بھی اسی قوم کی اولاد ہوں۔

حضرت موسیٰؑ کی دعوت اور بنی اسرائیل کی آزادی کے مطالبہ کو فرعون نے حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اس نے کہا موسیٰ (اور ان کے بھائی ہارون) کا تعلق تو ہماری غلام قوم سے ہے۔ انھیں ہم کیسے اللہ تعالیٰ کا رسول اور اپنا راہنما مان سکتے ہیں؟ فرعون اور اس کی قوم کا نسلی غرور اللہ تعالیٰ کی ہدایت قبول کرنے کی راہ میں مانع ہوا اور وہ غرق دریائے نیل کر دیئے گئے۔

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝ (المومنون: ۴۷، ۴۸)

انھوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں (حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ) پر ایمان لے آئیں جب کہ ان کی قوم ہماری ماتحت اور تابعدار ہے پس ان لوگوں نے ان دونوں کی تکذیب کی اور ان قوموں میں شامل ہو گئے جو ہلاک کر دی گئیں۔

۵۔ سیاسی غلامی کے ساتھ مذہبی غلامی کا بھی اسلام مخالف ہے۔ اس نے پروہتوں اور پجاریوں کے مذہبی ادارہ کو ختم کیا اور یہ بتایا کہ انسان خدا سے اس کے پیغمبروں کی ہدایت کے تحت براہِ راست تعلق قائم کرسکتا ہے، اسے یاد کرسکتا ہے، اس کی عبادت کرسکتا ہے، اس کے لیے نذر و نیاز اور قربانی پیش کرسکتا ہے۔ مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے، اس سے دعائیں کرسکتا ہے اس کے لیے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

(بقرۃ: ۱۸۶)

جب تم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو بتادو کہ میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں پس ان کو بھی میرا حکم ماننا چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے۔ اس سے امید ہے کہ وہ ہدایت پائیں گے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝

(زمر: ۳)

سن لو! اللہ ہی کے لیے ہے بندگی جو خالص ہو۔ جن لوگوں نے اسے چھوڑ کر حمایتی بنا رکھے ہیں ان کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں خدا سے قریب کردیں۔ بے شک اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور حق کو نہ ماننے والا ہو۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کو سیاسی اور مذہبی کسی بھی حیثیت سے محکوم بنانا قطعاً ناجائز ہے، اس کا حق ہے کہ اسے آزادی کی نعمت ملے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی دوسری بے شمار مخلوقات پر شرف و فضیلت عطا کی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ	ہم نے بنو آدم کو عزت دی اور خشکی
حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	اور تری کے لیے ان کو سواری دی
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	اور ان کے کھانے کے لیے پاک چیزیں
وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ	عطا کیں اور اپنی مخلوقات میں سے بیشتر
خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (اسراء: ۷۰)	پر ان کو فضیلت عطا کی۔

انسان کو دوسری مخلوقات پر جو شرف و فضیلت حاصل ہے، اس کے بعض پہلوؤں کا خود قرآن مجید نے صراحتاً ذکر کیا ہے اور بعض کی طرف اشارات کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین خلقت عطا کی ہے وہ اپنی جسمانی ساخت، شکل و صورت، قد و قامت، اعضاء و جوارح کے تناسب اور ظاہری ہیئت کے لحاظ سے دنیا کی حسین ترین مخلوق ہے۔

سورۂ 'تین' میں ارشاد ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	ہم نے انسان کو بہت خوبصورت
فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (تین: ۴)	طریقہ سے پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ	اس نے تمہاری صورت گری کی اور تمہیں
(التغابن: ۳)	بہت اچھی شکل و صورت عطا کی۔

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

اَلَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ	وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا، تیرے
فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ	اعضاء و جوارح کو ٹھیک کیا۔ ان میں
مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝	توازن اور اعتدال رکھا اور جس صورت
(الانفطار: ۷-۸)	میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

وہ حیوان ناطق ہے، اس کو قوت گویائی عطا کی گئی ہے، وہ بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنی زبان کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر ادا کر سکتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ — اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے
الْبَیَانَ ۝ (رحمٰن: ۴-۳) گویائی سکھائی۔

قلم کے ذریعہ بھی وہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ — جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ
(علق: ۴) تعلیم دی۔

یہ امتیاز کسی جانور کو حاصل نہیں ہے کہ وہ زبان و قلم کا مالک ہو اور ان کے ذریعہ اپنے خیالات دوسروں تک منتقل کر سکے۔ یہ چیز انسان سے چھن جائے تو وہ جانور کی سطح پر آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے اچھے جسم کے ساتھ دل و دماغ بھی عطا کیا ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ — اس نے تمہیں کان، آنکھ اور
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ — دل عطا کیے لیکن تم بہت کم اس کا
قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ — شکر ادا کرتے ہو۔
(سجدہ: ۹)

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ — اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے
بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ — پیٹوں سے نکالا کہ تم کوئی چیز نہیں جانتے
شَیْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ — تھے۔ (پھر) اس نے تمہیں کان، آنکھیں
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ — اور دل عطا کیے (جن کے ذریعہ تم بہت
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ — سی چیزوں کو جاننے لگے) تاکہ تم اس
(نحل: ۷۸) کے شکر گزار ہو۔

وہ سوچنے، سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ واقعات سے نتائج اخذ کرتا اور نت نئے تجربات کرتا ہے۔ جدید سے جدید تر صنعت و حرفت اس کی مرہون منت ہے۔ حیرت انگیز ایجادات و اختراعات اس کے ذریعہ جنم لیتے ہیں اور وہ اپنے لیے نئے نئے وسائل حیات تلاش کرتا رہتا ہے۔ اس طرح مادی ترقی اور خوش حالی کی طرف اس کی پیش رفت ہوتی رہتی ہے۔

عقل کے ذریعہ انسان برے بھلے کے درمیان فرق کرتا ہے، اعمال کے حسن و قبح اور درست و نادرست کا فیصلہ کرتا ہے، معاملات میں اپنی رائے قائم کرتا اور

اپنی مرضی سے کسی ایک پہلو کو اختیار کرتا ہے۔ یہی خوبی انسان کو ایک ذمہ دار فرد بناتی ہے

انسان کی شرف و منزلت کا ایک پہلو یہ بیان ہوا ہے کہ اس کے لیے صاف ستھری اور پاکیزہ غذا رکھی گئی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گندی اور ناپاک غذائیں اس کی فطرت سے میل نہیں کھاتیں اور وہ اس کے لیے مضر صحت اور نقصان دہ ہیں، جن غذائی اشیاء کو وہ ان کی اصل حالت میں استعمال کرتا ہے وہ بھی صاف ستھری ہونی چاہئیں اور جن چیزوں کو وہ اپنی اصل حالت میں استعمال نہیں کرپاتا اور پخت و پز کے ذریعہ انھیں مناسب حال خوش ذائقہ اور ہضم کے قابل بناکر استعمال کرتا ہے انھیں بھی گندگی سے پاک صاف ہونا چاہئے۔

یہ انسان کی عزت و تکریم کے بعض پہلو ہیں۔ ان کی خلاف ورزی اس عزت و تکریم کے منافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے، اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنا سراسر ظلم ہوگا جس کی وجہ سے اس کا مقام انسان کی سطح سے گرکر جانور کی سطح تک پہونچ جائے، اسلام ہر اس چیز کا مخالف ہے جو احترام آدمیت کے خلاف ہے۔ فقر و فاقہ، غذا کی کمی یا ناپاک اور گندی غذاؤں کے استعمال پر اس کا مجبور ہونا، غیر معمولی اور ناقابل برداشت محنت و مشقت کا بوجھ اس پر ڈالنا، اس کے لیے طبعی سہولیات کا نہ ہونا، یا ایسی سزائیں دینا جس سے اس کا جسم اپنی فطری ساخت کھو بیٹھے، یہ سب اس کے خلقی حسن کو بگاڑنے کے ہم معنی ہے۔ اسلام اس غیر انسانی روش کی کسی حالت میں اجازت نہیں دیتا، اسی طرح انسان کو علم کی روشنی سے محروم رکھنا، ایسا رویہ اختیار کرنا جس سے اس کی فکر کو بالیدگی نہ مل سکے اور اس کی دماغی اور فکری صلاحیتیں منجمد ہوکر رہ جائیں ناروا ہوگا۔ یہ سب انسان کی تکریم کے لازمی تقاضے ہیں۔ اسلام ان سب کی بحسن و خوبی تکمیل چاہتا ہے۔

انسان اجتماعیت پسند ہے، سب سے کٹ کر الگ تھلگ زندگی گزارنا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ وہ سماج کا ایک حصہ بن کر رہنا چاہتا ہے۔ سماج اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے، اس کی ضروریاتِ زندگی اسے سماجی زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہیں، وہ دوسروں کے تعاون ہی سے اپنی ضروریات پوری

کرسکتا ہے، سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے وہ کچھ حقوق رکھتا ہے اور اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ اس کے ان حقوق کو ادا کرنا کسی بھی مہذب سماج کے لیے لازم ہے، اور جو ذمہ داریاں سماج کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ انھیں پوری کرے۔ یہ حقوق اور ذمہ داریاں فرد پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ خاندان، سماج اور قبیلہ کا بھی اس میں حصّہ ہے اور ریاست کو بھی اس میں اپنا کردار ادا کرنا لازمی ہے۔

ان حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کون کرے گا؟ کیا فرد خود سے اس کا تعین کرے گا یا کسی دوسرے فرد کو اس کا حق حاصل ہوگا یا معاشرہ کی روایات سے اس کا تعین ہوگا یا ریاست اس کا فیصلہ کرے گی یا ان میں سے ہر ایک کا دائرہ الگ الگ ہے اور سب مل کر اس کا فیصلہ کریں گے؟ اسلام اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ اس کے تعین کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ وہی قانون ساز ہے قانون دینے کا حق اسی کو حاصل ہے، وہی ہر ایک کا حق بھی متعین کرتا ہے اور ذمہ داریاں بھی واضح کرتا ہے۔ فرد، سماج اور ریاست سب اس کے پابند ہیں۔ قانون سازی کا حق اس نے نہ کسی فرد کو دیا ہے، نہ کسی مذہبی شخصیت اور ادارہ کو اور نہ معاشرہ اور ریاست کو۔ بعض اوقات اسے مذہبی تقدس کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اسے غلط اور باطل قرار دیا۔

اہل عرب نے خود سے چیزوں کو حلال یا حرام قرار دے کر اسے خدا کے قانون کی حیثیت دے رکھی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ یہ صرف اللہ کا اختیار ہے کہ وہ کسی چیز کی حرمت یا حلّت کا فیصلہ کرے۔ کسی کا خود سے یہ کام کرنا اور کرکے اسے اللہ کی طرف منسوب کرنا افترا پردازی ہے۔ اس کے مرتکب دنیا اور آخرت میں فلاح نہیں پائیں گے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ	تمہاری زبانیں جو جھوٹ بولتی ہیں
اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا	اس کی بنا پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال اور یہ حرام
حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا	ہے۔ اس طرح تم اللہ پر جھوٹی تہمت
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ	لگاؤ گے۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹی افترا پردازی

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ — کرتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

(نحل: ۱۱۶)

یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء، فقہاء اور مشائخ کو مطلق قانون سازی کا حق دے رکھا تھا۔ وہ جواز و عدم جواز کے آزادانہ فیصلہ کرتے۔ وہ جس چیز کو جائز کہتے وہ جائز ہو جاتی اور جس چیز کے ناجائز ہونے کا فرمان صادر کرتے وہ ناجائز ہو جاتی۔ قرآن نے اس پر سخت گرفت کی اور کہا کہ کسی عالم، فقیہ یا فقیر اور درویش کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ شارع اور قانون ساز بن بیٹھے۔ یہ کام صرف اللہ کا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شریعت اور قانون عطا کرے۔

اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ — انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے
وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ — احبار اور رہبان کو رب بنا لیا اور
دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ — مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو حکم
مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا — دیا گیا کہ وہ الٰہ واحد کی عبادت کریں۔
لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا — اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پاک
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا — ہے اس کی ذات شرک سے جس
يُشْرِكُوْنَ ۝ (توبہ: ۳۱) — کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔

اہل کتاب کو توریت عطا کی گئی اور یہ ہدایت کی گئی کہ اس کی روشنی میں زندگی گزاریں اور اپنے معاملات کے فیصلے کریں۔ اس کے ابتدائی حاملین کا اس پر عمل تھا۔ انھوں نے اس کی پوری پابندی کی اور دنیا کے سامنے اس کے گواہ اور شاہد بن کر رہے۔ لیکن جب بگاڑ آیا تو خدا کی کتاب پیچھے چلی گئی اور اس سے آزاد فتووں اور فیصلوں نے کتاب اللہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اسی سے ان کے کفر و ضلالت اور تباہی کا آغاز ہوا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا — ہم نے توریت نازل کی، اس
هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا — میں ہدایت اور نور ہے۔ اسی کے
النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا — مطابق انبیاء، جو اللہ کے فرماں بردار
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ — تھے اور ان کے درویش اور عالم یہود

وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

(مائدہ: ۴۴)

کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان سے اللہ کی کتاب کی حفاظت کا مطالبہ کیا گیا تھا اور وہ اس کی گواہی دینے والے بنائے گئے تھے۔ پس تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے ذریعہ ثمن قلیل نہ خریدو۔ جو لوگ ان احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیے ہیں وہی ظالم ہیں۔

اس چیز نے کسی بھی فرد یا ادارہ کی مطلق بالادستی اور بے قید فرماں روائی کے تصور کو ختم کر دیا۔ اس نے کسی کو یہ حق ہی نہیں دیا کہ وہ دوسروں کے حقوق کا تعین کرے اور ان کی ذمہ داریاں بتائے، انسان خود بھی اپنے حقوق اور ذمہ داری کے تعین کا مجاز نہیں ہے۔ اس معاملہ میں ہر ایک کو خدا کے دیئے ہوئے قانون کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

یہاں اس قانون سازی کا ذکر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود میں رہ کر ہوتی ہے۔ اس کی اجازت خود اس نے دی ہے۔ اسی کو تفقہ اور اجتہاد کہا جاتا ہے۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ کسی زندہ اور ابدی شریعت کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر وہ تغیر پذیر زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

انسانوں کے درمیان رنگ و نسل، زبان، خطۂ ارض، جنس، عہدہ اور منصب اور صنعت و حرفت وغیرہ کا فرق پایا جاتا ہے، لیکن اسی فرق کو انسان نے اپنی نادانی سے یہی نہیں کہ حقیقی فرق سمجھ لیا بلکہ اسے بلندی و پستی کا معیار بھی قرار دے دیا، کبھی اس نے سفید فام کو سیاہ فام سے اونچا قرار دیا، کبھی کسی خاص نسل کی دوسری نسلوں سے برتری کا تصور اس پر چھایا رہا، کبھی کسی زبان کے بولنے والوں کو دوسری زبان والوں سے برتر

سمجھ بیٹھا، کبھی نوعی اور صنفی فرق اس کے نزدیک وجہِ تفوق بن گیا اور عورت پر مرد کی برتری ناقابلِ نزاع بنی رہی، آج بھی مساوات کے ہزار دعوؤں کے باوجود یہ فرق باقی ہے۔ اسلام نے انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز کے اس تصور پر کاری ضرب لگائی اور اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ انسانوں کے درمیان فرق و اختلاف دراصل باہم تعارف کا ذریعہ ہے۔ حقیقی فرق نہیں ہے، یہ فرق اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو کس فرد کا کس سرزمین اور کس ملک سے تعلق ہے؟ وہ کون سی زبان بولتا ہے اور اس کی جنس کیا ہے؟ یہ تعارف اصلاً ایک دوسرے کو جاننے اور پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ اگر سب کے رنگ روپ، شکل و صورت قد و قامت، زبان اور بولی ایک ہوتی تو انھیں پہچانا نہ جاتا، انسانوں کے درمیان یہ تنوع قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے اس تنوع اور رنگا رنگی کے اندر نوعِ انسانی کی وحدت باقی رکھی ہے۔ یہ کثرت میں وحدت کی دلیل ہے۔ اختلاف و انتشار کی دلیل نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا	اے لوگو، ہم نے تم کو ایک
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ	مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں
وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ	قوموں اور قبیلوں میں کر دیا تاکہ تم
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا	ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	تم میں سب سے بزرگ اللہ تعالیٰ
اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ	کے نزدیک وہ ہے جو تم سب سے زیادہ
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝	اس سے ڈرتا ہے۔ یقیناً اللہ علیم و
(الحجرات: ۱۳)	خبیر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جو خطبہ دیا اس میں قومی اور نسلی برتری کے احساسات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور بتایا کہ آدم کی اولاد سب ایک حیثیت کی مالک ہے، ہاں تقویٰ، خدا ترسی اور رفعتِ کردار سے انسان عزت و سربلندی کے مقامِ رفیع تک پہونچتا ہے اور وہ دوسروں کے قابلِ احترام ٹھہرتا ہے۔

یا ایھا الناس الا ان	اے لوگو! سن لو! بے شک تمہارا رب
ربکم واحد وان	ایک ہے اور تمہارا باپ (بھی) ایک
أباکم واحد الا لا	ہے۔ سن لو کسی عربی کو کسی عجمی پر،
فضل لعربی علی عجمی	کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید کو
ولا لعجمی علی عربی	کسی سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سفید پر کوئی
ولا لأحمر علی اسود ولا	فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے
لأسود علی احمر الا	(جس کے اندر جتنا تقویٰ ہوگا اتنا ہی
بالتقویٰ [1]	وہ صاحبِ فضیلت ہوگا)

یہ انسان کی مساوات کا واضح ڈیکلریشن تھا کہ کسی بھی فرد کو چاہے اس کا تعلق کسی بھی نسل وقوم سے ہو کسی دوسری رنگ ونسل اور قوم کے فرد پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ یہاں برتری کا معیار تقویٰ ہے۔ جو جتنا خدا ترس ہے وہ اتنا ہی عزت واحترام کا مستحق ہے [2]

انسانوں کے درمیان فرق وامتیاز اور ان پر ظلم وزیادتی خدا کی آتشِ غضب کو بھڑکاتی ہے اور جس قوم کو یہ مرض لگ جائے وہ بالآخر تباہ ہوجاتی ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نسلی تعصب اور احساسِ برتری میں مبتلا تھی اور وہ بنی اسرائیل کو اپنے مساوی حیثیت دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس نے انھیں غلام بنائے رکھا تھا اور انھیں محض خدمت گار کی حیثیت سے دیکھتی تھی۔ نسل کشی کے ذریعہ ان کی افرادی قوت گھٹانے اور انھیں کمزور کرنے کی مسلسل تدبیریں کر رہی تھی اور ان کے ابھرنے کے تمام مواقع اس نے مسدود کر رکھے تھے۔ کسی قوم کے ایک طبقہ کو اس طرح دبانا اور کچلنا سنگین جرم تھا۔ قرآن مجید نے اس ظلم کو جگہ جگہ نمایاں کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس روش کے مقابلہ میں بنو اسرائیل جیسی کم زور قوم کو اوپر اٹھایا اور فرعون اور اس کی قوم اپنے انجامِ بد کو

---

[1] مسند احمد ۵/۴۱۱

[2] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا رسالہ 'وحدتِ بنی آدم اور اسلام'۔

پہونچ کر رہی۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ	بے شک فرعون نے ارضِ مصر
وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا	میں سرکشی کی راہ اختیار کی اور وہاں
يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ	کے باشندوں کو فرقوں میں تقسیم
يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ	کر دیا۔ ان میں سے ایک فرقہ (بنی اسرائیل)
نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ	کو کمزور بنائے رکھا۔ ان کے بیٹوں کو
مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ	ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ
اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ	رکھتا۔ بے شک وہ فساد کرنے والوں
اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ	میں سے تھا۔ ہم ان لوگوں پر احسان کرنا
وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ	چاہتے تھے جو زمین میں کمزور بنا کر رکھے
الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ	گئے تھے۔ ان کو امام بنانا چاہتے تھے
فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ	اور ان کو زمین میں اقتدار دینا چاہتے
هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ	تھے اور فرعون، ہامان اور ان کے
مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝	لشکروں کو ان کے ذریعہ وہی کچھ دکھانا
(قصص: ۴-۶)	چاہتے تھے جس سے وہ ڈر رہے تھے۔

عدل واحسان کا تصوّر

انسانوں کے درمیان مساوات کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ سب کے ساتھ عدل وانصاف ہو، کوئی بھی شخص ظلم وزیادتی کا ہدف نہ بننے پائے، اسلامی تعلیمات جن اساسات پر قائم ہیں ان میں سے ایک اساس عدل وانصاف ہے۔ اسلام نے عدل وانصاف کا تصور ابھارا اور اسے ایک زندہ اور فعّال تصور بنایا، اس نے کہا کہ یہ دنیا عدل پر قائم ہے، انسان کی زندگی بھی عدل ہی کی بنیاد پر درست ہو سکتی ہے، اس لیے اسے عدل کا پابند ہونا چاہیے، انسان کی تگ وتاز جب تک ظلم کی راہ پر ہے، معاشرہ بے چینی اور اضطراب سے دوچار اور سکون سے محروم رہے گا۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝	سورج اور چاند کے لیے ایک
وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝	حساب ہے (کہ وہ اس کے مطابق
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ	گردش میں ہیں) اور پودے اور درخت
الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا	سجدہ کر رہے ہیں، اس نے آسمان
فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ	کو بلند کیا اور میزان رکھ دی کہ تم میزان
بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝	میں زیادتی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ
(رحمٰن: ۹-۵)	وزن کو قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا پورا دین صدق و عدل پر قائم ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ	تمہارے رب کی بات پوری ہے
صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: ۱۱۵)	باعتبار صدق اور باعتبار عدل[1]

مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام تعلیمات اور اس نے غیب کی جو حقیقتیں بیان کی ہیں وہ سب کی سب درست اور صحیح ہیں، ان کو غلط قرار دینے کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے اور اس نے جو احکام دیے ہیں وہ ہر طرح کے جور و ستم سے پاک اور سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔

پیغمبروں کی بعثت کا ایک اہم مقصد عدل و قسط کا قیام ہے، اسلام اس کے لیے طاقت کے استعمال کو بھی غلط نہیں سمجھتا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا	ہم نے اپنے رسول دلائل کے
بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ	ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب
الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ	اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف
النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا	پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس
الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ	میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے اور
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ	لوگوں کے لیے بہت سے فائدے
اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ	بھی ہیں اور تاکہ اللہ دیکھے کہ بغیر دیکھے
بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ	کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد

---

[1] قال البیضاوی صدقا فی الاخبار والمواعید وعدلا فی الأقضیۃ والاحکام (بیضاوی ۱/۳۱۸ طبع بیروت ۱۹۸۸ء)

عَزِيزٌ ۝ کرتا ہے۔ بے شک اللہ زور آور اور
(حدید: ۲۵) زبردست ہے۔

اسلام جس معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے اس کا تصور عدل و انصاف کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی ہدایت ہے کہ ظلم و زیادتی کی روش سے پوری طرح احتراز کیا جائے اور کسی بھی معاملہ میں اور کسی بھی حال میں قدم جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ پائے۔ اس نے عدل و انصاف کی ہدایت اور بغی و عدوان سے ممانعت ایک ساتھ کی ہے۔ یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ	اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا
وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي	اور احسان کا اور قرابت داروں کو
الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ	(ان کا حق) ادا کرنے کا اور منع
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ	کرتا ہے بے حیائی سے، منکر سے
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝	اور زیادتی اور سرکشی سے۔ وہ تمہیں
(نحل: ۹۰)	نصیحت کرتا ہے شاید تم نصیحت حاصل کرو۔

دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا معاملہ ہونا چاہیے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ
كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ	کے لیے کھڑے ہونے والے ہو جاؤ
بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ	عدل و انصاف کے شاہد بن کر کسی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا	قوم کی دشمنی تمہیں اس پر ہرگز آمادہ نہ
اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى	کرے کہ تم عدل سے پھر جاؤ۔ عدل کرو
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ	یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اللہ سے
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝	ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے
(مائدہ: ۸)	ہو اس سے باخبر ہے۔

اسلام کے نزدیک اقتدار اور حکومت قیام عدل کا ذریعہ ہے۔ جس شخص کے ہاتھ میں ریاست کی باگ ڈور ہے اس کی ذمہ داری دوسروں سے زیادہ ہے۔ وہ انصاف کو ہر حال میں قائم کرے گا اور ناانصافی سے اس کا دامن پاک ہوگا اسلامی

ریاست اپنے وسائل کو قیام عدل کے لیے استعمال کرے گی۔ حضرت داؤدؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ	اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں
خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ	نائب بنایا ہے۔ پس تم لوگوں کے
بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ	درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلہ
لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ	کرو اور اپنی خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ	وہ تم کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی
یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے
لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۢ بِمَا	بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت
نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ۝	عذاب ہے، اس لیے کہ انھوں
(ص: ۲۶)	نے یوم حساب کو فراموش کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ	اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو
بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ
یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝	کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں
(مائدہ: ۴۲)	کو پسند کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز امام عادل ان لوگوں میں ہوگا جنھیں عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ ملے گی جب کہ سوائے اس سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔[1]

حضرت عبداللہ بن العاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان المقسطین عند اللہ	بے شک انصاف کرنے والے
علی منابر من نور عن	اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ

یمین الرحمٰن وکلتا	پر جلوہ افروز ہوں گے جو رحمان کے
یدیہ یمین، الذین	سیدھے ہاتھ کی طرف ہوں گے حالانکہ
یعدلون فی حکمھم	اس کے دونوں ہی ہاتھ سیدھے ہیں.
واھلیھم وما ولوا لہ	انصاف کرنے والے وہ جو اپنے
	فیصلوں میں، اہل وعیال کے معاملہ
	میں اور جن کے وہ والی اور نگراں بنائے
	جائیں ان کے سلسلے میں انصاف کرتے ہیں.

عدل وانصاف سے متعلق اسلام کی یہ واضح ہدایات ہیں۔ ان پر صحیح معنی میں عمل درآمد ہو تو حق تلفی اور ظلم وزیادتی کی بیخ کنی ہو سکتی ہے اور ہر طرح کے استحصال سے پاک معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ (باقی آیندہ)

ل مسلم (بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی اہم پیشکش

ISLAMIC CIVILIZATION IN ITS REAL PERSPECTIVE

تحریک اسلامی کے معروف عالم دین مولانا صدرالدین اصلاحی مدظلہ کی مایہ ناز تصنیف "معرکۂ اسلام وجاھلیت" کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اسلام کی بصیرت افروز آگہی کے لیے جاہلیت سے واقفیت ضروری ہے۔ جاہلی عناصر کس طرح اسلامی تصورات میں اپنی جگہ بناتے ہیں۔ اسلام اور جاہلیت کے درمیان مسلسل کش مکش کا اندازہ کیا ہے۔ خالص اسلام سے وابستگی کے تقاضے ان امور سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔

مترجم ڈاکٹر اسرار احمد خاں نے انتہائی معیاری ودل کش اسلوب میں اسے انگریزی کا جامہ پہنایا ہے۔ • صفحات ۱۳۷ • قیمت =/۹۰ روپے

ملنے کے پتے:

۱۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی۔ ۳۔ ۱۳۵۳ چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶